وقف زندگی کی اہمیت اور شرائط

(خطبہ عیدالاضحیہ فرمودہ ۵؍اگست ۱۹۸۷ء بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ، انگلستان)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾

(البقرۃ: ۱۲۸۔۱۳۰)

اور پھر فرمایا:

یہ عید جو آج کے دن ہم منا رہے ہیں اس کا قربانیوں کے ساتھ ایک تعلق ہے جو ہر مسلمان کو معلوم ہے چنانچہ اس عید کو عیدالاضحیہ یعنی قربانیوں کی عید کا نام دیا گیا ہے۔ قربانی کا جیسا عید سے تعلق ہے ویسا ہی اس کا ایک قبولیت سے بھی تعلق ہے اور عموماً اس تعلق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خانۂ کعبہ کی عمارت کی بنیادیں بلند کرنے کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ دعا بھی ان کی بتلائی گئی کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اے اللہ! ہماری طرف سے یہ قبول فرما۔ وہ کیا چیز تھی جسے قبول کرنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عاجزانہ درخواست کر رہے تھے؟ بالعموم تو دنیا میں یہ خیال پایا جاتا ہے اور عام طور پر جتنی بھی انسان نیکیاں بجالاتا ہے اسی خیال کے تابع کہ نیکی کرتے ہی خود بخود وہ مقبول ہو جاتی ہے اور کہاں انسان ہر نیکی کے ساتھ ساتھ یہ عاجزانہ دعائیں کرتا ہے کہ اے خدا! میری اس نیکی کو بھی قبول فرمالے، اس نیکی کو بھی قبول فرمالے اور قرآن کریم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی نیکیوں پر بہت ہی پیار کی نظر ڈالتا ہے اور خدا کی باریک نظر سے کوئی نیکی اوجھل نہیں رہتی چنانچہ فرمایا:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال:۸۔۹)

جس کسی نے بھی ایک ذرے کے برابر بھی نیکی کی وہ خدا کی نظر کے سامنے رہتی ہے اور جس کسی نے بھی ایک معمولی ادنیٰ سی بھی بدی کی، ذرہ کے برابر وہ بھی خدا کی نظر کے سامنے ہوتی ہے۔ تو جب نیکیوں کے متعلق خدا تعالیٰ کا بندوں سے یہ سلوک دکھائی دیتا ہے اور ویسے بھی انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ نیکیاں تو کی ہی خدا کی خاطر جاتی ہیں، اس بات کا احتمال کیا ہے کہ نیکی ہم کریں اور خدا قبول نہ کرے؟ اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصیت کے ساتھ یہ عرض کرنا کہ تَقَبَّلْ مِنَّا اے خدا! ہم سے قبول فرمالینا۔ کیا وہ کوئی خاص نیکی تھی؟ کیا وہ کوئی خاص قسم کی قربانی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں تھی؟

جب اس سے اگلی آیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں کسی قدر یہ تفصیل ملتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے وہ کیا چیز تھی جسے وہ خدا کے حضور پیش کر رہے تھے؟ فرمایا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کہ اے خدا! ہم باپ اور بیٹا اپنے دونوں کے وجود تیرے حضور پیش کر رہے ہیں، کامل طور پر تیرا ہو جانے کا وعدہ کرتے ہیں اور یہی تمنا لے کر آئے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ہم یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ ہماری اولاد کو بھی اپنے لئے وقف کر لینا اور اپنا بنالینا وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا کا مضمون اس وقف سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد یہ عرض کیا اَرِنَا مَنَاسِكَنَا جب تو نے ہمیں اپنا بنالیا ہم تیرے لئے وقف ہو گئے تو

پھر ہمیں خدمت پر لگانا، ہمیں بتانا کہ یہ یہ قربانیاں کرو۔ یہ یہ تمہاری قربان گاہیں ہیں اور پھر ہم سے غفلتیں ہوں گی، کمزوریاں ہوں گی، تیرے منشا کو عین تیری مرضی کے مطابق ادا نہیں کر سکیں گے۔ تُبْ عَلَيْنَا پھر ہم سے مغفرت کا سلوک بھی فرمانا اور بار بار ہماری لغزشوں سے پردہ پوشی کرنا۔ ہماری توبہ کو قبول کرنا۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تو تو بہت ہی زیادہ بار بار توبہ کو قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جہاں قبولیت کا مضمون ملتا ہے وہاں وقف زندگی کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور یہ مضمون ایک اور آیت میں بھی خوب کھول کر بیان ہوا ہے جس کا تعلق حضرت مریم کی والدہ کے مَنت ماننے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب حضرت مریم کی والدہ نے خدا کے حضور دعا کی کہ میں تیرے حضور وہ بچہ پیش کرنا چاہتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے، تو اسے قبول فرمالے۔ وہاں بھی لفظ قبول استعمال ہوا۔ جواباً خدا نے فرمایا:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران: ۳۸)

پس اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمالیا اور بہت ہی عمدہ طریق پر قبول فرمایا، بہترین رنگ میں قبول فرمایا اور قبول فرمانے کے بعد اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا پھر اس کی پرورش کی نہایت بہترین طریق پر۔ اس سے اور زیادہ بات واضح ہوگئی کہ عام نیکیاں اور زندگی کے وقف کرنے کی نیکی میں ایک فرق ہے۔ عام نیکیاں تو کمزور بھی ہوں، ان میں کچھ خامیاں بھی رہ جائیں بالعموم اللہ تعالیٰ پردہ پوشی فرماتا ہے اور قبول فرماتا چلا جاتا ہے۔ لیکن جب ایک انسان اپنے وجود کو خدا کے حضور پیش کرتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کا اسے اپنا لینا، یہ ہے قبولیت۔ اسے اپنا بنا لینا اور اپنے نمائندہ کے طور پر قبول کر لینا، چنانچہ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا آیت کا یہ ٹکڑا بتا رہا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی وجود کو قبول کر لیتا ہے تو پھر اسکی تربیت کی ذمہ داری بھی خود لے لیتا ہے پھر آغاز ہی سے اس پر نظر کرم فرماتے ہوئے اس کی بہترین رنگ میں تربیت کا انتظام فرماتا ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خصوصیت کے ساتھ جس قبولیت کی دعا کر رہے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ میں بھی اپنی زندگی وقف کرتا ہوں تیرے حضور، اسماعیلؑ بھی تیرے حضور زندگی وقف کرتا ہے اور یہی نہیں ہم آئندہ اپنی نسلوں کو بھی تیرے حضور پیش کرتے ہیں۔ تُو قبول فرما یعنی ہمیں اپنا بنالے پھر ہماری تربیت فرما، اپنی نمائندگی میں ہم سے کام لے، ہماری قربان گاہیں دکھا کہاں کہاں ہم نے کیا قربانیاں دینی ہیں؟ اور ہمیں قربانیاں بتا کہ کس

طرح پیش کرنی ہیں؟ گویا کہ ہم جب کلیۃً اپنے آپ کو تیرے سپرد کر رہے ہیں تو ہدایات دینا پھر تیرا کام ہے۔ اس تسلسل سے یہ آیت خوب کھل کے واضح ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد پھر جہاں یہ آیت اپنے معراج کو پہنچتی ہے۔ یہ دعا یعنی اپنے معراج کو پہنچتی ہے یہ وہ تیسرا حصہ ہے۔ فرمایا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۳۰﴾

اس التجا اور الحاح کے ساتھ ہم اپنا وجود اور اپنی آئندہ نسلوں کا وجود تیرے حضور پیش کر رہے ہیں اور قبولیت کی التجا کرتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں اگر تو قبول فرمالے تو ہماری آخری تمنا یہ ہے کہ اس کائنات میں ظاہر ہونے والا سب سے بڑا رسول ہماری نسل ہی سے پیدا ہو اور گویا یہ تیری طرف سے قبولیت کا نشان ہوگا۔ وہ رسول جس کا تو نے وعدہ کیا ہے کہ دنیا کو عطا کیا جائے گا وہ ان میں سے پیدا فرما۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وہ تیری آیات پڑھ کر سنائے دنیا کو، ان کو تعلیم کتاب دے، ان کے سامنے کتاب کی حکمتیں بیان فرمائے۔ وَيُزَكِّيهِمْ اور انہیں پاک فرماتا چلا جائے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یقیناً تو بہت ہی غالب عزت والا اور حکمت والا خدا ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس خاص ادا کے ساتھ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کہا ہے اس میں آپؑ کے وجود کی ساری سچائی گھل مل گئی تھی۔ ایک ذرہ بھی انانیت کا آپؑ نے باقی نہیں رہنے دیا، اس کامل خلوص اور الحاح کے ساتھ، اس کامل عشق اور وارفتگی کے ساتھ اپنا وجود، اپنے بیٹے کا وجود اور اپنی آئندہ نسلوں کا وجود پیش کیا ہے کہ اس کے بعد یہ دعا جو مانگی گئی یہ دعا سننے کے لائق ٹھہری کیونکہ آنحضرت ﷺ کے وجود کے متعلق یہ طلب کرنا کہ ہماری نسلوں سے ہو یہ کوئی معمولی دعا نہیں تھی۔ اس دعا کے استحقاق کے لئے ایک لمبی نسل اتقیاء کی ضروری تھی، آباؤ اجداد کا ایک سلسلہ چاہئے تھا جو خدا تعالیٰ کی پناہ کے نیچے، اس کی نظر کے نیچے اس وجہ سے تربیت پا رہے ہوں کہ آئندہ ان میں سے وہ عظیم الشان رسول پیدا کیا جائے گا۔ پس تَقَبَّلْ مِنَّا کی تان وہاں جا کے ٹوٹتی ہے جہاں آنحضرت ﷺ کے وجود کا اپنی نسل سے پیدا ہونا عرض کیا گیا ہے۔

ایک تیسری جگہ بھی قبولیت اور ردّ کا ذکر ملتا ہے اور وہ ہے آغاز ہی میں جب نبوت کا آغاز ہوا۔ اس وقت خدا نے ایک واقعہ کو محفوظ فرمایا اور ہمارے لئے نصیحت کے طور پر بیان کیا۔ فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ (المائدۃ:۲۸)

ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ کامل سچائی کے ساتھ بیان کرو۔ بِالْحَقِّ سے مراد یہ ہے کہ سننے والوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو کہ واقعہ بعینہٖ اسی طرح ہوا اور اس میں کسی قسم کا کوئی نہ مبالغہ ہے نہ کمی کی گئی ہے اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ جب ان دونوں نے خدا کے حضور ایک قربانی پیش کی فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا ان میں ایک سے تو وہ قبول فرمالی گئی وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ دوسرے سے وہ قربانی قبول نہیں کی گئی۔ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ اس نے کہا میں تجھے قتل کردوں گا۔ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (دوسرے نے جواباً کہا) کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کی قربانیاں قبول کیا کرتا ہے، ہر قربانی کو قبول نہیں کیا کرتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں کونسی قربانی تھی؟ پرانے طریق کے مطابق کیا کوئی سوختنی قربانی تھی یا کوئی جانور ذبح کیا گیا تھا؟ اگر ایسا تھا تو جس کی قربانی قبول نہیں ہوئی تھی اس کو کس طرح پتہ چلا کہ اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے کہ جس شخص کی قربانی قبول نہ کی جائے اس کو الہاماً فوراً کہہ دے کہ تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی اور جس کی قبول کی ہے اس کو کہہ دے کہ تمہاری ہوگئی؟ اور یہ دونوں بلند آواز میں اس طرح باتیں بیان کی جائیں کہ دونوں ایک دوسرے کی وہ باتیں سن بھی رہے ہوں۔ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے احادیث کے مطالعہ سے کہیں خدا تعالیٰ کا اس قسم کا کوئی سلوک نظر نہیں آتا۔ تو سوال یہ ہے کہ اس کو کیسے پتہ چلا کہ اس کی ہوگئی ہے میری نہیں ہوئی۔ اور قربانی سے مراد جب بھی قربانی کا لفظ آتا ہے تو اس کا ایک گہرا تعلق زندگی سے ہے۔ مراد جانور کی قربانی ہے یا کوئی اور قربانی ہے؟ گزشتہ دو آیات جو پہلے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ان کی روشنی میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں بھی زندگی ہی کی قربانی کا ذکر ہے۔ دونوں بھائیوں نے اپنے آپ کو خدا کے حضور پیش کیا کہ ہم سے خدمت دین لی جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے منشا کے مطابق ایک کو خدمت دین کے لئے قبول کرلیا اور ایک کو بتایا کہ ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس کو معلوم ہوگیا کہ میری قربانی قبول نہیں ہوئی جبکہ بھائی کی قربانی قبول ہوگئی ہے۔

تو قربانی کے قبول ہونے سے مراد ان تینوں جگہ وقف زندگی لیا جائے تو مضمون بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ اور قربانی سے مراد ایسی قربانی نہیں ہے جس کی گردن پر چھری پھیر دی جائے اور وہ اچانک تڑپ تڑپ کر ختم ہو جائے کیونکہ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا بتاتا ہے کہ یہ ایسی قربانیوں کی بات ہو رہی ہے جنہیں قبول کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان کی پرورش فرماتا ہے، ان کی تربیت فرماتا ہے اور ان سے خدمتیں لیتا ہے۔ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا بھی اس مضمون کو کھول رہا ہے کہ یہ قربانیاں وہ ہیں جنہوں نے پھر ساری عمر آگے قربانیاں پیش کرنی ہیں۔ کوئی ایک لمحے کی قربانی کا ذکر نہیں ہے بلکہ جسے قربانی کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے وہ آگے پھر قربانیاں پیش کرے گا اور ساری زندگی وہ قربان ہوتا چلا جائے گا۔

پس اس پہلو سے ہم واقف زندگی کے لئے ایک بہت بڑا اسبق ہے۔ جب میں نے وقف نو کی تحریک کی ہے یعنی آئندہ صدی کے لئے بچے وقف کرنے لئے تو ان آیات کو میں اس لئے آج آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں اس عید کی مناسبت سے کہ اس ذمہ داری کو اچھی طرح سمجھیں۔ اگر آپ نے اپنے بچے محض لِلّٰہ کامل خلوص کے ساتھ پیش کرنے ہیں تو پھر یہ نہ سمجھیں کہ ادھر پیش کئے ادھر مقبول ہو گئے۔ مقبول ہونے کے لئے کچھ اور شرطیں ہیں۔ مقبول ہونے کے لئے ان کے اندر تقویٰ ہونا ضروری ہے، مقبول ہونے کے لئے آپ کی نیتوں کا تقویٰ ضروری ہے، کامل خلوص، کامل سپردگی، وہ ابراہیمی رنگ ضروری ہے جس کے بعد خدا تعالیٰ ان قربانیوں کو ضرور قبول فرما لیا کرتا ہے اور پھر آئندہ نسلوں پر بھی اس قبولیت کے نیک اثرات ظاہر فرماتا ہے اس لئے بہت ہی اہم بات ہے کہ قربانی پیش کرتے ہوئے اپنی نیتوں کو خوب کھنگالا جائے، بہت صفائی کے ساتھ اور پاکیزہ جذبات کے ساتھ ان تمام احتمالات کو سامنے رکھ کر قربانی پیش کی جائے جو واقف زندگی کو درپیش ہوتے ہیں۔

بسا اوقات ایک واقف زندگی ابتلاؤں میں سے گزارا جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک واقف زندگی کا بظاہر مقام بلند ہونا چاہئے اپنے منصب کے لحاظ سے لیکن اس سے ادنیٰ کام لئے جاتے ہیں، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک واقف زندگی سمجھتا ہے کہ میں دنیا میں باہر تبلیغ کے لئے مفید ہوں، میرا وجود زیادہ انسب ہے اس بات کا کہ باہر مقرر کیا جائے، اسے دفتر میں کلرک مقرر کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے واقعات میرے علم میں ہیں کہ اس پر وہ بہت ہی سیخ پا ہوا۔ ایک شخص نہیں بلکہ بارہا کئی دفعہ

ایسے واقعات ہوئے ہیں، یعنی سلسلہ کی تاریخ میں کئی دفعہ کہنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ گنتی کے چند ہیں بہرحال، چند واقعات ایسے ضرور ہوئے ہیں کہ جب ان کی تقرری کی گئی کسی جگہ تو وہ اس پر بڑے سیخ پا ہوئے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ میں اسی لائق ہوں؟ مجھ سے خدمت لینی چاہئے مجھے فلاں عظیم الشان کاموں پر لگانا چاہئے، میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت قابل ہوں، اتنی میری ڈگریاں ہیں۔ مجھ سے ادنیٰ ادنیٰ آدمیوں کو آپ نے فلاں جگہ لگایا ہوا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ پہلے میں نے ایک ایسے ہی شخص کی فائل منگوا کر وقف زندگی کے تعلق میں پیدا ہونے والی خرابیوں کا جائزہ لینے کی خاطر اس کا تفصیل سے مطالعہ کیا تو عجیب وغریب ایک بحث اس سے نکلی۔ جب دفتر نے اس کو یہ جواب دیا کہ آپ واقف زندگی ہیں، آپ اپنے آپ کو پیش کر چکے ہیں، اب آپ کا کام نہیں ہے یہ بحث کرنا کہ آپ کو کہاں لگایا جائے؟ یہ یا تو ان افسران کا کام ہے جن کو خلیفۂ وقت مقرر کرتا ہے یا خلیفۂ وقت نے خود اگر کوئی فیصلہ کیا ہے تو آپ کو اس کو بخوشی تسلیم کر لینا چاہئے۔ تو اس کا جواب یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے آپ لوگ تقویٰ سے بالکل خالی ہو چکے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور ایک اتنی اچھی چیز پیش ہوئی ہو اور اسے آپ ایک ذلیل جگہ پہ لگا رہے ہوں، آپ کو کوئی خدا کا خوف نہیں ہے؟ کوئی جماعت کے لئے دلچسپی نہیں ہے؟ جماعت کے لئے آپ کے دل میں ہمدردی نہیں ہے؟ کوئی اسلام کے لئے سچی ہمدردی نہیں ہے اگر ایسا نظام ہے اور ایسی خلافت ہے تو میری توبہ۔ یعنی میرے مقام کو ہی آپ نہیں سمجھ رہے، آپ کو یہ پتہ ہی نہیں کہ جب آپ مجھے غلط جگہ استعمال کرتے ہیں تو ضائع کر رہے ہیں اور اللہ کی چیز ضائع کر رہے ہیں۔ تو ایک یہ بھی رنگ ہوتا ہے وقف زندگی کا جو پھر نامقبول ہو جاتا ہے اور مردود ہو جاتا ہے اس لئے ان احتمالات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ہو سکتا ہے کسی کا بچہ بڑا ہو کر عظیم الشان علم حاصل کرے دنیا کے لحاظ سے، نوک پلک سے ہر طرح سے درست ہو اور سلسلہ اسے ایک معمولی سا کام دے رہا ہو۔ اس آیت پر غور ضروری ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ عرض کرتے ہیں وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا جب ہم پیش کر چکے تو ہمیں یہ بھی حق نہیں ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ ہم نے کیا قربانیاں دینی ہیں؟ جس کے سپرد کر دیا ہے اپنے آپ کو اس کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کیا قربانیاں لینی ہیں؟ کیسی کامل دعا ہے! حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کی سپردگی کا کمال اور آپؑ کی ذہانت کا بھی کمال ہے۔ کتنا باریک نکتہ ہے جسے خدا کے حضور پیش کر رہے ہیں کہ خدا میں تو پیش کر چکا ہوں اب

میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں نے یہ قربانی دینی ہے۔اب تیرا کام ہے،تو جانتا ہے، جہاں لگائے گا وہاں لگ جائیں گے۔جس قسم کا کام تو ہم سے لے گا اسی قسم کا کام ہم کریں گے اور یہی روح آپؐ کی نسل میں آگے جاری رہی اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے وجود میں بدرجہ کمال ظاہر ہوئی ہے۔حیرت انگیز کمال کے ساتھ یہ جذبہ نشو ونما پاتا رہا ہے اور اس کے لئے ایک لمبی نسل تھی ایسی جن کے اندر خون میں خدا تعالیٰ نے ایسا نظام جاری کیا تھا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جذبات یا صلاحیتیں مزید پرورش پاتی ہوئی، بڑھتی ہوئی،نشو ونما پاتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جارہی تھیں ایک مخفی جوہر کی طرح اور وہ تمام نسلوں میں جو مخفی جوہر آگے ترقی کررہے تھے وہ بالآخر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تابع حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی جنین میں مجتمع ہوگئے اور ایک عظیم الشان وجود اس سے پیدا ہوا ہے۔

پس یاد رکھیں کہ اگر آپ کی نیتیں خالص ہیں اور انکسار کامل ہے اور جب وقف کرتے ہیں تو پھر اپنا کچھ نہیں رہنے دیتے سب کچھ خدا کا بنا دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی عطا کرنے والا ہے کہ اس طرح وہ قَبُوْلِ حَسَنٍ فرماتا ہے کہ انسان تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ کتنا عظیم الشان وجود پیدا ہوگا؟ جیسا کہ میں پہلے بھی بارہا بتا چکا ہوں اس دعا کا ایک نہایت ہی حسین پہلو یہ ہے اس کی قبولیت کا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ترمیم فرما دی اس کی قبولیت کے وقت جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس رنگ میں دعا مانگی تھی،جس وجود کا تصور کیا تھا اس سے زیادہ بڑا وجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا فرمایا ہے آپؐ کی نسل میں۔چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے دعا میں ترتیب یہ رکھی تھی کہ اے خدا ایسا رسول دے جو ان کو تیری آیات سنائے،علم کتاب دے،کتاب کی حکمتیں بیان کرے اور اس کے نتیجہ میں طبعًا اس میں تزکیہ نفس پیدا کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔یہ ذہنی مضمون ہے جو بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام نے ایک منطقی نتیجہ نکالا۔وہ منطقی نتیجہ یہ تھا کہ جو رسول خدا کا کلام سناتا ہے پھر کتاب کا علم دیتا ہے پھر کتاب کی حکمتیں بیان کرتا ہے اس کے نتیجہ میں قوم کے اندر پاک ہو جانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آیتیں سننا،ان کے علم کو اچھی طرح سمجھنا کہ کس طرح ان آیات پر عمل ہونا چاہئے؟ اس کی تعلیم پر عمل ہونا چاہئے؟ اور پھر حکمتیں بیان کرنا یہ ساری چیزیں مل کر گویا تزکیہ نفس پیدا کرتی ہیں۔خدا تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرماتے وقت اس دعا کی ترتیب بدل دی فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ (الجمعۃ:۳) کہ دعا

قبول کی ہے لیکن بدلی ہوئی ترتیب کے ساتھ۔ وہ اس طرح کہ فرمایا کہ ہم نے رسول پیدا کر دیا جو اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سناتا ہے لیکن اس میں تزکیہ کی ایسی عظیم الشان طاقت ہے کہ اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ پہلے تعلیم کتاب کرے اور تعلیم حکمہ کرے پھر تزکیہ کرے۔ براہ راست اس کی قوت قدسیہ اس طرح دوسروں میں سرایت کر جاتی ہے جس طرح بجلی کی غیر مرئی شعاعیں بعض دفعہ دوسرے وجود میں سرایت کر رہی ہوتی ہیں یا ریڈی ایشن سرایت کر رہی ہوتی ہے کئی قسم کی۔ تو اس کا قرب ہی تزکیہ نفس کا موجب بن جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جسے خدا نے جہاں بھی اس کی تکرار کی ہے قرآن کریم میں اسی ترتیب کو قائم رکھ کر کی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا یہی رہی اور جواب خدا کا ہمیشہ یہی رہا کہ میں قبول کروں گا لیکن زیادہ شان کے ساتھ، اس سے زیادہ شاندار وجود عطا کروں گا تیری نسل میں جس کا تو نے تصور باندھا ہے۔

پس آنحضرت ﷺ کی قوت قدسیہ جو آج بھی زندہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تجربہ کے مطابق، جس کو آپؑ نے بارہا ہمارے سامنے بڑی قوت سے بیان کیا، وہ ایک الگ مضمون ہے، اس کا علم سے کوئی تعلق نہیں، اس کا حکمت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ علم اور حکمت کا اس قوت قدسیہ سے تعلق ہے۔ جتنا زیادہ تزکیہ کرے گا محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود اتنا ہی زیادہ سچا علم پانے کا بندہ اہل ہوتا چلا جائے گا۔ اتنا ہی زیادہ خدا تعالیٰ کے کلام کی حکمتوں کو سمجھنے کا انسان اہل ہوتا چلا جائے گا۔ یہ ہے وہ کامل مضمون جس کو اس آیت میں ذرا سی ترتیب بدلنے سے بیان کر دیا گیا اسی لئے قرآن کریم میں ایک ایسی آیت رکھی گئی جو اس سے پہلے کسی اور کتاب میں آپ کو نہیں ملتی اور وہ سورۂ بقرہ کی پہلی آیت ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ یہ کتاب ہے متقیوں کو ہدایت دینے والی حالانکہ جتنی دوسری کتابیں ہیں ان کا مطالعہ کر کے دیکھیں وہ یہ کہتی ہیں یہ کتاب ہے متقی بنانے والی، اس تعلیم پر عمل کرو گے تو نیک بن جاؤ گے۔ یہ کیا دعویٰ ہے کہ نیکوں کو ہدایت دینے والی؟ اور معانی کے سوا ایک

اس کا تعلق اس سے بھی ہے جو اس سے پہلے یُزَکِّیْھِمْ والی آیت آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی۔ فرمایا کہ یہ تزکیہ کرتا ہے اور تزکیہ کے نتیجہ میں انسان کو اس بات کا اہل بنا دیتا ہے کہ نہایت اعلیٰ درجہ کا علم وہ حاصل کر سکے۔ جس میں کوئی خامی نہ ہو، کوئی کجی نہ ہو اور ایسی حکمتوں تک اس کی رسائی ہو جائے کہ جن حکمتوں تک عام انسان کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی جن کا تزکیہ نہ ہو۔ پس علم غیر پاکیزہ انسان کو بھی مل جاتا ہے اور حکمتیں بھی ایک غیر پاکیزہ انسان کسی حد تک سمجھ جاتا ہے لیکن ایک پاکیزہ انسان کا علم اور ایک پاکیزہ انسان کی سمجھی ہوئی حکمتیں ایک بالکل اور مقام رکھتی ہیں۔ ان کا مرتبہ عام دنیاوی علم اور دنیاوی حکمتوں سے بہت زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے حق میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اس سے بہت زیادہ مقبول ہوئی ہے جتنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی تصور بھی باندھا تھا۔ اس کو کہتے ہیں سچی مقبولیت۔ پس جس خدا نے ہمیشہ یہی رحمت اور شفقت کا سلوک فرمایا ہے۔ حضرت مریمؑ کی والدہ نے جو دعا مانگی ایک ایسے لڑکے کی دعا تھی جسے وہ سینی گاگ کے لئے، یہود کے معبد کے لئے وقف کر دیں گی گویا کہ وہاں بیٹھ کر وہ ایک قسم کا یہودی عالم اور نیک یہودی عالم بن کر پرورش پائے گا اور جب وہ لڑکا نہیں ملا اور لڑکی ملی تو گھبرا گئیں کہ میں نے تو بہت بڑی دعا مانگی تھی یہ تو چھوٹی سی قبولیت ہوئی ہے۔ اللہ نے کہا تجھے کیا پتہ؟ میں نے تو بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ کیا ہے۔ مریمؑ کے نام سے آئندہ دنیا میں عظیم انقلاب آنے والا ہے۔ اس کی کوکھ سے وہ بچہ پیدا ہوگا جس مسیح کا ساری دنیا انتظار کر رہی ہے۔

تو بسا اوقات دعا قبول ہوتے وقت بھی انسان کو پتہ نہیں لگ رہا ہوتا کہ کس رنگ میں دعا قبول ہوئی ہے؟ یہ دو مثالیں آپ کے سامنے رکھ کر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک اصول ہے قطعی کہ جب خدا قبول فرمالے تو توقع سے بہت بڑھ کر عطا کیا کرتا ہے اس لئے جب آپ اپنے بچوں کو وقف کریں تو اس مذہبی تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھیں۔ سب سے پہلے اپنی نیتیں پاک کریں اور بچپن سے ہی تربیت کرتے وقت ان کو یہ بتائیں کہ وقف کا یہ مضمون ہے اور انہیں خوب سمجھائیں کہ تم بڑے ہو کر آزاد ہو جاؤ گے میرے اس عہد سے، تمہیں دوبارہ پھر عہد کرنا ہوگا اور میں ابھی یہ بات کھول دیتا ہوں کہ جن کے وقف قبول ہوئے ہیں اس شرط کے ساتھ قبول ہوئے ہیں۔ اگر بچے بڑے ہوئے اور یہی

تمنا ان کے دل میں رہی جو تمنا باپ کے دل میں تھی یا ماں کے دل میں تھی کہ ہم نے ضرور وقف ہونا ہے تو پھر ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ پھر اگر جماعت کے لئے وہ مفید وجود ثابت ہوئے کسی رنگ میں تو انہیں قبول کیا جائے گا۔ تو دو قسم کی پھر قبولیتیں سامنے آجائیں گی ایک وہ جو نیتوں کی قبولیت ہوتی ہے خدا کے حضور اور انہیں وہ جزا دے دیتا ہے۔ ایک وہ قبولیت جس کو پھر خدا تعالیٰ اس رنگ میں قبول فرماتا ہے حسن کے طور پر، اس کی تربیت کا بھی انتظام فرماتا ہے، اسے اپنا لیتا ہے، اپنے کاموں میں لیتا ہے، اسے قربان گاہیں اس کی دکھاتا ہے، اس سے عظیم الشان خدمتیں لیتا ہے۔ تو پہلی قسم کی جو قبولیت میں نے بیان کی ہے وہ تو عموماً جب بھی انسان نیت کرتا ہے وہ اس کو حاصل ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا، شفقت کرنے والا ہے کوئی ادنیٰ سا خیال بھی نیکی کا دل میں پیدا ہو تو اس کی جزا دے دیتا ہے۔ لیکن آپ دوسری مقبولیت کے لئے دعا کریں کہ خدا پھر اسے اس شان کے ساتھ قبول کرے کہ اس بچے کی تربیت میں آپ کا ممد و معاون ہو جائے بلکہ اسے اپنا ہی لے شروع سے ہی، خود براہ راست اس کی تربیت فرمائے اور پھر جب وہ بڑا ہو تو اسے اپنا بنا کر اس سے کام لے، اس کو بتائے کہ میں نے تجھ سے کیا کیا خدمتیں لینی ہیں اور پھر ان خدمتوں میں اس کو ثابت قدم رکھے۔

اگر ہم ان نیتوں کے ساتھ اپنی دعائیں کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ کر دیں اپنی نیتوں میں اے خدا! یہ بچہ جو میں نے وقف کیا ہے آئندہ اس کی نسلیں بھی وقف ہوں، قیامت تک، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا تھا رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ، ایک امت پیدا ہو جائے عظیم الشان قوم وجود میں آئے جو ساری کی ساری واقف زندگی ہو۔ ان نیتوں کے ساتھ اگر آپ دعائیں کرتے ہوئے اپنے بچے وقف کریں تو آپ تصور نہیں کر سکتے کہ آئندہ دنیا پر کتنا بڑا احسان کر رہے ہو گے؟ کتنے عظیم الشان وجود آپ کی نسلوں سے پیدا ہوں گے جو آپ کو دعائیں دیں گے، آپ پر رحمتیں بھیجیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلوص نیت کو قبول کرتے ہوئے آئندہ بنی نوع انسان کی بھلائی کے سامان پیدا کئے اور خود آپ کی نسل پر آپ کا اتنا بڑا احسان ہو گا کہ شاذ کے طور پر دنیا میں کوئی والدین اپنی نسل پہ ایسا احسان کرتے ہیں جیسا ایک وقف کرنے والا اگر خلوص کے ساتھ وقف کرے، وہ اپنی نسل پر احسان کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں ان قربانیوں کے ان مضامین کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے نتیجہ میں ہم حقیقی واقفین کی زندگیاں خدا کے حضور پیش کرنے والے ہوں جن میں کوئی انانیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔

یاد رکھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہمیں ایک انکساری کا سبق بھی دے رہی ہے۔ ابراہیمؑ سے بڑھ کر متقی کون تھا اس زمانے میں؟ اور آنحضرت ﷺ کے بعد شاذ ہی کوئی ہوگا۔ ہمارے علم میں نہیں کہ جو ابراہیمؑ جیسا اعلیٰ درجہ کا تقویٰ رکھتا ہو۔ اس کے باوجود وہ کس عاجزی سے عرض کر رہے ہیں کہ تَقَبَّلْ مِنَّا وَتُبْ عَلَيْنَا دو باتیں انہوں نے پیش کی ہیں کہ اے خدا! مجھے پتہ نہیں کہ میں اس لائق بھی ہوں کہ میرا وقف تیرے حضور قبول ہو، میں نہیں جانتا کہ میرا بچہ بھی اس لائق ہے کہ نہیں کہ اس کا وقف تیرے حضور قبول ہو اس لئے عرض ہے۔ یہ مضمون تُبْ عَلَيْنَا سے کھل جاتا ہے۔ عرض کیا ہے کہ میں جانتا ہوں میرے علم میں ہے کہ ہم میں بہت سی کمزوریاں ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ میں قبول کئے جانے کے لائق نہیں، میرا بچہ قبول کئے جانے کے لائق نہیں ایک ہی صورت ہے کہ تُبْ عَلَيْنَا ہماری توبہ قبول فرما اور تُبْ عَلَيْنَا کا ایک مطلب ہے کہ رحمت کے ساتھ رجوع فرما، پردہ پوشی فرما، ہمارے گناہوں سے درگزر فرما۔ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ تُو تو بار بار توبہ قبول کرنے والا ہے، بہت ہی رحم کرنے والا ہے یہ دعا اپنے اندر ایک عظیم الشان انکسار رکھتی ہے اور دعا کرنے والا خدا تعالیٰ کا ایک عظیم الشان نبی ہے انبیاء میں اس کو ایک خاص مرتبہ حاصل ہے۔ تو اگر ایک عام انسان وقف کرے اور یہ سمجھے کہ بس اب میں نے احسان کر دیا جماعت کے اوپر، اب میں نے خدا پر احسان رکھ دیا، اب اور کیا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ؟ میں نے وقف کر دیا اب چھٹی ہوئی۔ یہ بات نہیں ہوگی، ابراہیمؑ والا انکسار آپ کو پیدا کرنا ہوگا۔ وقف کرتے ہوئے یہ خوف دامنگیر ہو جانا چاہئے کہ کیا تو ہے پر کیا کیا؟ اس لائق بھی ہے کہ نہیں کہ خدا اسے قبول کرے؟ اور یہ جانتے ہوئے کہ لائق نہیں ہے، کامل انکسار کے ساتھ اور عجز کے ساتھ خدا کے حضور یہ التجائیں کریں کہ اے خدا! ہمیں پتہ ہے کچھ بھی نہیں، ہم جانتے ہیں ہم کیا ہیں، کس حال پر کھڑے ہیں؟ تو قبول فرما! اس طرح قبول فرمالے کہ توبہ بھی قبول فرمالے، بخشش فرما، کمزوریوں کو نظر انداز فرما اور ان کو آئندہ دور کرنے کا انتظام فرما! تو یہ انکسار اگر دعاؤں میں شامل

ہوگیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ ایک صدی نہیں بلکہ آئندہ ہر آنے والی صدی پر ایک عظیم احسان کر رہے ہوں گے اور خدا نے جو ہم پر احسان کیا ہوگا وہ ان پر رحمتیں اور فضلوں کی بارش بن کے برستا رہے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور نے دعا کروائی۔